محمد عثمان

پی ایچ ڈی اُردو اسکالر، منہاج یونیورسٹی، لاہور

ڈاکٹر نبیل احمد نبیل

ڈویژن آف اسلامک اینڈ اورینٹل لرننگ، یونیورسٹی آف ایجوکیشن، لوئر مال کیمپس، لاہور

ادب کی تفہیم: ردِ تشکیل کے تناظر میں

ABSTRACT

Understanding Literature: Deconstruction Context
By Muhammad Usman, PhD Urdu Scholar, Minhaj University Lahore
Dr. Nabeel Ahmed Nabeel, Division of Islamic and Oriental Learning, University of Education, Lower Mall Campus, Lahore

Understanding literature relates to the interpretation of a literary text in a specific perspective. The critical appreciation, analysis and establishing an opinion about the text are some of the important tools to understand a literary piece of work. For this purpose, a complete understanding of literary as well as critical theory is indispensible to move forward. There are various perspectives to understand literature, which may be divided into four major categories; these are Author oriented, Context oriented, Reader oriented and Text oriented. This paper presents the debates of understanding literature in the context of Deconstruction; a theory presented by Jacques Derrida. The main idea of this theory is to unveil those meanings of the text, which have not been revealed on the surface. A limited work is available in the field of Urdu Applied Criticism with special reference to Deconstruction; because this analytical approach has been ignored. This theory may be applied to understand literature with the help of discourse analysis, narratology, linguistic analysis and textual criticism.

Keywords: Theory, Deconstruction, Jacques Derrida, Post-structuralism, Philosophy, Literature, Text, Meaning, Criticism, Interpretation.

کسی ادب پارے کی تفہیم دراصل کسی خاص زاویۂ نظر سے اُس کی تشریح و توضیح کا نام ہے، جس میں ادب پارے کا تجزیہ کرنا، اُسے تنقیدی پذیرائی کے عمل سے گزارنا اور عموماً اُس سے متعلق کوئی رائے قائم کرنا جیسے معاملات شامل ہوتے ہیں۔ ادب پارے کی تفہیم حقیقت میں اُس کی تنقید کے ساتھ ساتھ چلتی ہے، جہاں ہمیں ادب، نظریہ اور تنقید بیک وقت ایک دوسرے کے ہمراہ چلتے دکھائی دیتے ہیں۔ اِسی لیے ادب کی تفہیم کے لیے ادبی نظریات کے علاوہ تنقیدی نظریات کا ادراک بھی بہت ضروری ہے۔ اس ضمن میں ادبی تنقید اور ادبی سماجیات کے ساتھ ثقافتی مطالعات بھی اہمیت کے حامل ہوتے ہیں۔ ادب

کی تفہیم کے کئی ایک زاویے ہیں، جنھیں چار بڑے گروہوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ اُن بڑے زاویوں میں مصنف اساس، سیاق اساس، قاری اساس اور متن اساس جیسے زاویے شامل ہیں۔ ادب کی تفہیم کے یہی زاویے آگے چل کر مختلف نظریات میں تقسیم ہو جاتے ہیں۔

مصنف اساس زاویہ بنیادی طور پر متن کو مصنف کی ذات کے آئینے میں دیکھنے کی کوشش کرتا ہے کیوں کہ مصنف کا تحت الشعور اُس کے تخلیق کردہ متن پر اثرات رکھتا ہے۔ مصنف کی ذات سے مراد مصنف کے حالات، اُس کی نفسیات، اُس کے تجربات، اُس کی دیگر تحریریں اور اُس کی سوانح وغیرہ لیا جا سکتا ہے۔ یعنی کسی مصنف کا تخلیق کردہ متن، اُس مصنف کی اپنی ذات سے آزاد نہیں ہوتا، لہٰذا اُس کی تخلیقات کی تفہیم کے لیے ضروری ہے کہ اُنھیں مصنف کی ذات سے علیحدہ کر کے نہ دیکھا جائے۔ شاعری سے ہٹ کر اگر ادب بالخصوص فکشن کی بات کی جائے تو یہ انسانی جذبات کی ترجمانی میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ انسانی جذبات کا واسطہ چوں کہ نفسیات کے ساتھ مضبوطی سے قائم ہوتا ہے، لہٰذا مصنف اساس خیال کے تحت مصنف کا تخلیق کردہ فکشن خود اُس کی اپنی نفسیات سے مکمل آزاد نہیں رہ پاتا۔ یہی ادب کی تفہیم کا کلاسیکی زاویۂ نظر ہے۔ ادب کی تفہیم کا دوسرا زاویہ سیاق اساس ہے، جس کے تحت کسی خاص دور کے مختلف رجحانات اور اُن کا سیاسی و سماجی منظرنامہ، اُس دور کے ادب پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ یعنی کسی ادب پارے کی تفہیم میں اُس کا ماحول مرکزی حیثیت کا حامل ہوتا ہے۔ اِس حوالے سے ادب پارے کا مختلف تناظر سے تجزیہ کیا جاتا ہے، جیسا کہ سیاسی، سماجی، نفسیاتی، جنسی، ثقافتی، نو آبادیاتی، مابعد نو آبادیاتی، مارکسی، تانیثی اور ماحولیاتی تناظرات وغیرہ۔

تیسرا زاویہ قاری اساس کی صورت میں ہمارے سامنے آتا ہے۔ یہ زاویہ ادب پارے کے حوالے سے قاری کے تجربات کو بنیاد بناتا ہے، جو اصل میں قاری کا ادب پارے کے حوالے سے ادراکی تناظر ہے۔ قاری کی معلومات، اُس کے جذبات اور تجربات بنیادی طور پر اُس کی ادبی تفہیم پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ یہاں قاری مرکزی مسند پر براجمان نظر آتا ہے۔ قاری اساس زاویۂ نظر رکھنے والوں کے نزدیک چوں کہ متن کی تفہیم قاری کے بنا ممکن ہی نہیں، لہٰذا قاری کے بنا متن اپنا وجود کھو بیٹھتا ہے۔ متن کے قیاسی مفہوم اور قاری کی تفہیم کے مابین گہرا تعلق پایا جاتا ہے، جو قاری کو محض قاری نہیں بلکہ نقاد کی سطح پر لے جاتا ہے۔ ایسا کرتے ہوئے ایک قاری، اُسی ادب پارے کے بارے میں دیگر قارئین کی تفہیم کا موازنہ کرنے کی صلاحیت بھی رکھتا ہے۔ قاری کی نفسیات اور اُس کے نزدیک کسی ادب پارے کی قرات کا مقصد بھی اِس حوالے سے برابر اہمیت کے حامل ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قاری کی کسی خاص ادب پارے کی قرات کا مقصد بھی نفسیاتی طور پر اُس کی تفہیم پر اثر انداز ہوتا ہے۔ ادب کی تفہیم کا چوتھا بڑا زاویہ متن اساس تصور رکھتا ہے، جو متن کے داخلی پہلوؤں پر زور دیتا ہے۔ دوسری طرف یہ متن کے خارجی پہلوؤں، مثلاً مصنف سے متعلق عوامل، قاری سے متعلق عوامل اور دیگر منظرنامہ وغیرہ کو نظر انداز کرتا ہے۔ متن اساس تصور کی بنیادیں علمِ زبان، لسانیات، علمِ بیان، علمِ معانی، رسمیات (متن میں شامل تمام کردار)، ساختیات

(ادب پارے کی ساخت)، متن کے کثیر المعانی پہلو، متن میں علامتوں اور نشانات کا نظام وغیرہ جیسے مباحث پر استوار ہوتی ہیں۔ رسمیت پسندی، عملی تنقید، نئی تنقید، ساختیات، پس ساختیات، ردتشکیل اور اُسلوبیات جیسے نظریات اور تجزیاتی طریقہ ہائے کار متن اساس زاویے کے تحت زیرِ بحث آتے ہیں۔ میرا موضوع یہاں چوں کہ ادب کی تفہیم کو ردتشکیل کے تناظر میں دیکھنا ہے، اِس لیے ادب کی تفہیم کے دیگر زاویوں کو یہاں شامل نہیں کیا جائے گا۔

ردتشکیل یا ساخت شکنی (Deconstruction) کو اُس کی نوعیت کے اعتبار سے ادبی اور فلسفیانہ جیسے دو پہلوؤں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ادبی پہلو کا تعلق متنی تفہیم کے ساتھ ہے، جو دراصل متن میں موجود پوشیدہ متبادل معانی کی تلاش میں مصروفِ عمل رہتا ہے۔ دوسری جانب فلسفیانہ پہلو کا تعلق موجود کی مابعد الطبیعیات کے ساتھ ہے، جو اصل میں دوہرے تضادات کو جنم دینے کے ساتھ ساتھ اُن کی ترتیب بھی وضع کرتا ہے، جیسا کہ غیر موجودگی سے پہلے موجودگی اور تحریر سے پہلے تقریر۔ ڈاکٹر اسلم انصاری (۱۹۲۹ء) کے خیال میں ردتشکیل پس ساختیات کے بعد یا اُسی کے نتیجے میں سامنے آنے والی ایک اصطلاح ہے، جس کے معنی مختصراً یہ ہیں کہ متنی تنقید کی وہ صورت جس میں کسی متن کی ظاہری صورت کے پس منظر میں پوشیدہ مفروضوں، تعصّبات کو تلاش کیا جائے اور اُن کا کھوج لگایا جائے، جن کا بظاہر متن میں کوئی تذکرہ نہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ ردتشکیل کی اصطلاح میں بہت سے مفاہیم شامل ہیں۔(۱) ردتشکیل بنیادی طور پر متن کا عمیق مطالعہ اِس اعتبار سے کرتی ہے، چوں کہ متن میں معنی کے اعتبار سے منطقی اکائی کی بجائے عدم مطابقت رکھنے والے متضاد معانی موجود ہوتے ہیں۔ ردتشکیل کو فلسفیانہ طور پر متعارف کروانے کا سہرا ژاک دریدا (Jacques Derrida: 1930-2004) کے سر ہے۔ اُس نے پہلی دفعہ یہ تصور اپنی کتاب Of Grammatology (1967) میں پیش کیا، جس میں زبان کے اندر الفاظ کے تعاملات اور معنی کی بازیافت کو موضوع بنایا گیا ہے۔

ردتشکیل کے ضمن میں ڈاکٹر گوپی چند نارنگ (۱۹۳۱ء۔2022ء) لکھتے ہیں:

> ردتشکیل (Deconstruction) سے مراد متن (Text) کے مطالعے کا وہ طریقۂ کار ہے، جس کے ذریعے نہ صرف متن کے متعینہ معنی کو بے دخل (Undo) کیا جا سکتا ہے، بلکہ اُس کی معنیاتی وحدت کو پارہ پارہ بھی کیا جا سکتا ہے۔ ردتشکیل کو بالعموم پس ساختیات کا حصہ سمجھا جاتا ہے، کیوں کہ ردتشکیل سوسیئر کے تصورات، نیز اُن تصورات کو بنیاد بناتی ہے، جنھیں ساختیات نے پیش کیا ہے، لیکن اُنھیں پلٹ بھی دیتی ہے۔ ردتشکیل اصلاً شدید نوعیت کا بت شکن رویہ ہے۔ اُس کے نزدیک کوئی اُصول یا کوئی مفروضہ مقدس نہیں ہے۔(۲)

جدید مغربی فلسفہ معنی کی تلاش کو مرکزیت عطا کرتا ہے۔ یعنی مطلق سچائی کی موجودگی اور یقینیت کے ساتھ اُس کی

تلاش، تا کہ دنیا میں اپنے مقام کو سمجھا جا سکے۔ دریدا اِسی خواہش کے حصول کو Logocentrism کا نام دیتا ہے۔ اِس کے زیرِ اثر معنی کی تفہیم، نظریہ سازی اور معنی عطا کرنے کے لیے کسی خاص اصطلاح یا تصور کو مرکز بنایا جاتا ہے۔ پھر وہ تصور لازمی حیثیت اختیار کر جاتا ہے، جس کے گرد معنی کا جال بنا جاتا ہے۔ بعدازاں وہ مابعد علم کا حوالہ بن جاتا ہے۔ دریدا کے نزدیک یہی لفظ مرکزیت اور معنی کے بیرونی طور پر متعین ہونے کا تصور ہی ردتشکیل کو جنم دیتے ہیں۔ اُس کے خیال میں سچائی یا حقیقت کا وجود زبان کے بنا ممکن نہیں۔ دریدا کے ردتشکیل پر مبنی تصورات کی تین بنیادی خصوصیات ہیں۔ پہلی خصوصیت متن کی مرکزی ساخت کو سمجھنے کی خواہش کی صورت میں سامنے آتی ہے۔ دوسری خاصیت متن کی تفہیم کے لیے معنی کی تخفیف کا عمل ہے۔ تیسری خصوصیت یوں ہے کہ معنی کی تخفیف کس طرح کسی شے کے تصور میں پائے جانے والے تضاد کو بیان کرتی ہے۔ پہلی خصوصیت کو دریدا Logocentrism یعنی لفظ مرکزیت کا نام دیتا ہے۔ دوسری کو Nothing beyond the Text کی صورت میں بیان کرتا ہے جب کہ تیسری کو Difference کا نام دیتا ہے۔ دریدا متن کو آغاز سے اختتام تک اکائی سمجھنے کی بجائے معنی کے اعتبار سے متنوع قرار دیتا ہے۔ یعنی متن اپنے اندر عدم مطابقت پر مبنی امکانات کو جنم دیتا ہے، جس سے قاری کے لیے کسی مستقل معنی تک پہنچنا ممکن نہیں رہتا۔

ڈاکٹر اورنگ زیب نیازی (۱۹۷۹ء) ردتشکیل کے تناظر میں معنی کے التوا کے ضمن میں لکھتے ہیں:

> ساخت شکنی (Deconstruction) کا دعویٰ ہے کہ ہر لفظ کی تہہ میں کئی دوسرے لفظوں کے مدھم نشانات یعنی Traces موجود ہوتے ہیں؛ اِسی طرح ہر متن کی تہہ میں دوسرے متون کے نشانات مضمر ہوتے ہیں۔ اِن مدھم نشانات کو ہم قرات کے دوران میں دریافت کرتے ہیں؛ جوں ہی یہ سامنے آتے ہیں، متن کے پہلے معانی پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ چناں چہ گذشتہ معنی ملتوی ہو جاتے ہیں اور معنی کے التوا کا یہ سلسلہ جاری رہتا ہے۔ واضح رہے کہ معانی کا التوا، متن کی اپنی صورت حال اور وقوعہ ہے؛ نقاد فقط ساخت شکن تناظر کی مدد سے اُسے منکشف کرتا ہے۔ نیز معانی ملتوی ہوتے ہیں، منہدم نہیں۔(۳)

مغربی کلچر میں ثنائی تضادات (Binary Opposites) کے تحت سوچنے اور خیال ظاہر کرنے، مثلاً موجود/غیر موجود، تحریر/تقریر اور شعور/لاشعور وغیرہ کو دریدا نے تنقید کا نشانہ بنایا۔ اُس کے نزدیک مغرب میں اصطلاحات کے ایسے جوڑوں میں سے ایک کو مثبت اور دوسری کو منفی یا کم تر خیال کیا جاتا ہے۔ وہ ردتشکیل کے ذریعے ثنائی تضادات پر مبنی تعلق کو ختم کرتا ہے اور اُن جوڑوں کی ترتیب پر بھی بحث کرتا ہے۔ ساختیات کے مطابق انسانی کلچر بشمول ادب کو نشانات کے نظام کے حصوں کے طور پر سمجھا جا سکتا ہے۔ مگر دریدا ساختیات کے اِس نکتے کو رد کرتا ہے، جس کے مطابق متن کو معانی سے مرکز کی

حیثیت سے قابلِ شناخت سمجھا جاتا ہے۔ دوسری طرف نئی تنقید متن کو از خود ایستادہ اور خود میں مکمل شے قرار دیتی ہے، جس کے معانی کو خود متن کے حصوں میں موجود پیچیدہ رشتوں سے سمجھا جا سکتا ہے۔ جہاں تک زبان کے نظام کی بات ہے تو دریدا مطلق معنیاتی بنیادوں کو آمرانہ فعل سے تعبیر کرتا ہے۔ ردِتشکیل کا تصور نہ مرکز مائل ہے اور نہ ہی مرکز گریز، بلکہ وہ تو ساخت کی موجودگی کو تسلیم ہی نہیں کرتا، کیوں ساخت شکنوں کے نزدیک متن تو خود ہی ساخت شکن ہوتا ہے۔ اِس ضمن میں جے۔ ہِلس مِلر (J. Hillis Miller: 1928-2021) کے خیال میں ردِتشکیل کسی متن کی ساخت کو توڑنے کا عمل (Dismantling) نہیں ہے، بلکہ متن پہلے سے ہی خود کو توڑ چکا ہوتا ہے۔ اِس کی بظاہر نظر آنے والی سطح کوئی چٹان نہیں بلکہ نازک ہوا ہوتی ہے۔(۴) ردِتشکیل متن کی ساخت کو توڑتی نہیں، نہ ہی اُسے تباہ کرتی ہے، بلکہ متن کی بازیافت کے عمل کو کسی مخصوص ساخت سے ہٹ کر تیز کرنے کی کوشش کرتی ہے۔

مغربی تنقید کے پچھلے سو سالہ سفر کے حوالے سے بات کرتے ہوئے ڈاکٹر وزیر آغا (۱۹۲۲ء۔ ۲۰۱۰ء) رقم طراز ہیں:

> پچھلے سو برس میں مغربی تنقید چار مراحل سے گزری ہے۔ پہلا مرحلہ تاریخی سوانحی تنقید کا تھا، جس میں مرکز کو تمام تر اہمیت تفویض کی گئی اور اِسی حوالے سے مصنف (لکھاری) خالق اور Presence کو تخلیق کاری کا محرک قرار دیا گیا۔ دوسرا مرحلہ نئی تنقید کا تھا، جس میں مصنف کی نفی کر دی گئی اور تصنیف (لکھت) کی موجودگی کو خود کار اور کفیل اکائی کے طور پر تسلیم کر لیا گیا۔ تیسرا مرحلہ ساختیاتی تنقید کا تھا، جس میں اُس سسٹم کوڈ یا شعریات (Poetics) کا حوالہ تھا، جو تصنیف کی ساخت اور بُنت میں موجود تھی۔ چوتھا مرحلہ ساخت شکنی کا تھا، جس میں گنجلک (Labyrinth) کا حوالہ تھا، جو اصلاً ایک گہراؤ یا Abyss تھی۔ ایک ایسا گہراؤ جس کا نہ تو کوئی مرکز یا خالق (مصنف) تھا اور نہ ہی جس کے عقب یا بطن میں کوئی سسٹم موجود تھا: دیکھا جائے تو یہ ایک گورکھ دھندا تھا، جس کا آغاز تھا نہ انجام جس کے تمام راستے ناپید تھے جس کا خارج تھا نہ داخل بامِ ثریا نہ تحت الثریٰ۔(۵)

ردِتشکیل ایک طرف متن کی ساخت کے حوالے سے وحدت کے تصور کا ماننے سے انکاری ہے تو دوسری طرف متن کی بالائی سطح اور گہری سطح کی بھی بات کرتی ہے۔ اِسی تناظر میں وزیر آغا کے خیال میں ساخت شکنی کے دو پہلو ہیں۔ ایک وہ جس کے تحت نقاد، مصنف کے اُس نظام اقدار کو dismantle کرتا ہے، جس پر اُس نے اپنی تصنیف کی بنیادیں استوار کی ہوتی ہیں: مثلاً جب دریدا "مصنف کی موجودگی" کو Logocentrism کے حوالے اور ساختیاتی تنقید کے پیش کردہ سٹرکچر کو Metaphysics of Structure کے حوالے سے deconstruct کرتا ہے تو گویا وہ مغرب کی مابعد الطبیعیات کو

deconstruct کرتا ہے؛ علاوہ ازیں وہ یہ بھی کہتا ہے کہ یہ سب کچھ جو نظر آ رہا ہے، کسی نظام یا سٹرکچر کے تابع نہیں ہے۔ یہ اصلاً ایک Labyrinth یا گورکھ دھندا ہے۔ (۶) ردِ تشکیل سے پہلے متن کو ساخت کے حوالے سے جو مرکزیت اور طاقت حاصل تھی، اُس متن کی طاقت کو ساخت شکن نقاد جبر سے تشبیہ دیتے ہیں۔ باربرا جانسن (Barbara Johnson) کے نزدیک ردِ تشکیل حدود سے آزادی کے تصور سے محفوظ ہونے کا نام نہیں بلکہ یہ متنی طاقت (جبر) کے ذرائع کی نشان دہی اور اُن کے خاتمے کا نام ہے۔(۷) یعنی یہاں متن کی اُس ساخت پر ہی اعتراض کیا جاتا ہے، جس پر مجموعی طور پر متن خود کو کھڑا کرتا ہے۔ ایسا کرنے کے بعد ردِ تشکیلی نقاد متن میں موجود معنیاتی خرابی کی صورت کو محض سامنے لاتا ہے۔ اِسی حوالے سے وزیر آغا ساخت شکنی کے دوسرے پہلو پر بات کرتے ہوئے خیال ظاہر کرتے ہیں کہ ساخت شکن نقاد، تصنیف کے اندر جو ''صورت خرابی کی'' یعنی Deconstruction موجود ہے، فقط اُس کی نشان دہی کرتا ہے۔ مراد یہ ہے کہ تصنیف کے اندر بھی دو سطحیں ہوتی ہیں۔ ایک بالائی سطح جس میں مصنف کی Intuition اور اُس کی جہت صاف نظر آتی ہے اور دوسری، گہری سطح جہاں تصنیف اپنی باگ دوڑ خود سنبھال لیتی ہے۔ یہ وہی مقام ہے جس کے بارے میں منٹو نے کہا تھا کہ ''کہانی مجھے تحریر کرتی ہے''۔(۸) یعنی ساخت شکن نقاد کی توجہ کا مرکز بالائی کی بجائے وہ گہری سطح بنتی ہے، جہاں وہ معنی کے التوا در التوا کی نشان دہی کرتا ہے۔

جہاں تک اُردو میں ردِ تشکیلی مطالعے کی روایت کا معاملہ ہے تو اُس میں ڈاکٹر گوپی چند نارنگ (۱۹۳۱ء۔۲۰۲۲ء)، ڈاکٹر وزیر آغا (۱۹۲۲ء۔۲۰۱۰ء)، ڈاکٹر ناصر عباس نیر (۱۹۶۵ء)، ڈاکٹر اورنگ زیب نیازی (۱۹۷۹ء) اور ڈاکٹر شافع قدوائی (۱۹۶۰ء) وغیرہ نام شامل ہیں۔ اُردو تنقید میں یہ روایت نہایت مختصر ہے اور اِس ضمن میں ڈاکٹر وزیر آغا کے تین مضامین میں ''تم نے دیکھا نہیں ہے وہ منظر''، ''غالب کے ایک شعر کا پس ساختیاتی مطالعہ'' اور ''منٹو کے افسانوں میں عورت: پس ساختیاتی مطالعہ'' شامل ہیں۔ ڈاکٹر گوپی چند نارنگ کے ایسے مضامین میں ''دریدائی ٹریس اور غالب شعریات'' اور ''فیض کو کیسے نہ پڑھیں: پس ساختیاتی مطالعہ'' شامل ہیں۔ ڈاکٹر اورنگ زیب نیازی کا ایک مضمون بعنوان ''مجید امجد کی نظم کنواں: ردِ تشکیلی مطالعہ'' شامل ہے۔ ڈاکٹر ناصر عباس نیر کا ایک مضمون ''راشد کی نظم ''زندگی اک پیرہ زن'' کا پس ساختیاتی مطالعہ'' کے عنوان سے اہمیت کا حامل ہے۔ پھر ڈاکٹر شافع قدوائی کا ایک مضمون بعنوان ''بجوکا کا ایک ردِ تشکیلی مطالعہ'' شامل ہے۔ اِن تمام مضامین کا اہم نکتہ یہ ہے کہ مذکورہ ادب پاروں کی تفہیم میں مروجہ معانی سے ہٹ کر بھی بات کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

سوسئیر (Ferdinand de Saussure: 1857-1913) کے لسانی تصورات سے استفادہ کرتے ہوئے بیسویں صدی میں کئی تنقیدی نظریات اور تجزیاتی طریقہ ہائے کار سامنے آئے۔ اُس نے لسانی نشان (Linguistic Sign) کو دال (Signifier) اور مدلول (Signified) جیسے تصورات میں تقسیم کیا۔ پھر زبان کے حوالے سے اُس کی پیش کردہ زبان کا مجموعی نظام (Langue) اور تکلم (Parole) جیسے تصورات پر مبنی تقسیم ہو یا زبان کے حوالے سے پائے جانے والے

عمودی روابط (Paradigmatic) اور افقی روابط (Syntagmatic) پر مبنی رشتوں کی تقسیم ہو یا پھر زبان کے مطالعے کے لیے دو زمانی (Diachronic) اور یک زمانی (Synchronic) مطالعے کی بات ہو، ساختیات اور پس ساختیات کے نقادوں نے استفادہ کیا۔ دریدا نے بھی سوسئیر کے پیش کردہ لسانی تصورات سے استفادہ کیا، مگر متن کی ساخت کے حوالے سے وحدت کے تصور کا ردتشکیل کی مدد سے انکار کر دیا۔ دریدا کے نزدیک متن سے باہر کچھ نہیں سے مراد یہ ہے کہ کوئی اُس وقت تک حقیقت تک رسائی حاصل نہیں کر سکتا، جب تک کہ اُسے تفہیم کا تجربہ حاصل نہ ہو جائے۔(۹) پھر معنی اور معنی نما کے مابین تعلق سے اختلاف کرتے ہوئے متعین معنی کی موجودگی کے امکان کو ناممکن قرار دے دیا۔ یعنی اُس کے نزدیک متن میں جو کچھ بھی ہے، وہ معنی کے اثر کا نتیجہ ہے۔

ردتشکیل متن کے حوالے سے مرکزیت کے مفروضے کو تسلیم نہیں کرتی، بلکہ وہ اِس خیال کی حامی ہے کہ مرکزیت کا ساخت سے کوئی رشتہ نہیں۔ یعنی مرکزیت کا عنصر ساخت کے اندر موجود ہے، نہ ہی ساخت سے باہر، کیوں کہ ساخت تو خود اپنا وجود کھو بیٹھتی ہے۔ ردتشکیل کے یہاں جب مرکزیت کے تصور کا خاتمہ ہوا، تو متن کی سمت متعین کرنا مشکل ہو گیا، چوں کہ متن اب کسی ساخت یا نظام کے تابع نہیں رہا۔ جب ردتشکیلی نقاد مرکز اور ساخت سے منقطع ہو گیا تو وہ متن کی گہری سطح میں غوطہ زن ہونے لگا۔ پھر وہاں سے نکلنے کا کوئی مخصوص راستہ نہیں رہتا۔ وہ اُن پیچیدہ راستوں میں گھومتا رہتا ہے اور متن کی پیچ در پیچ تہوں کو کھولنے کی کوشش میں مصروف رہتا ہے۔ ایسا کرتے ہوئے وہ پہلے سے موجود معنی کو رد نہیں کرتا بلکہ اُسے ملتوی کرتا ہے اور یہ التوا کا معاملہ چلتا رہتا ہے۔ معانی کے مابین فرق کی وجہ سے کچھ معانی التوا میں چلے جاتے ہیں اور سلسلہ چلتا رہتا ہے۔ یعنی متن کی ایسی ساخت جو پہلے سے متعین معانی رکھتی ہے، اُسے ملتوی کرنے کا نام ردتشکیل ہے۔ متن میں معنی کا یہ جو سلسلہ جاری رہتا ہے، اُس کے لیے دریدا نے فرانسیسی اصطلاح Differance استعمال کی ہے۔ اِس اصطلاح کو اُس نے فرق (Difference) اور التوا (Deferment) جیسے دونوں معنوں میں استعمال کیا ہے۔ داخلی تضادات پر مشتمل معنیاتی اعتبار سے لفظ کی عدم قطعیت واضح ہو کر سامنے آ جاتی ہے اور دریدا کے نزدیک لفظ مرکزیت سے بچنا ممکن نہیں۔ معنی کے التوا کے پیچھے یہ فلسفہ کارفرما ہے کہ متن کے اندر کیا ایسے معانی موجود ہو سکتے ہیں، یا ایسے معنی رہے ہیں، جو وقت کی تہوں کے ساتھ مختلف تاریخی، سماجی، ثقافتی، یا تعصب پر مبنی دیگر عوامل کی بنا پر چھپ گئے ہیں۔ مگر اُنھیں سامنے لانے کی کوشش کسی معنی کو ختم نہیں کرتی، بلکہ معنی آفرینی کی یہ کوشش جاری رہتی ہے، جو کسی حتمی حل یا معنی پر ختم نہیں ہوتی۔ ردتشکیل کا حامی قاری یا نقاد کوئی عام قاری یا نقاد نہیں، جو متن کے اندراجات کو محض معلومات کی حد تک محسوس کرتا ہے، بلکہ وہ معانی کے ادراک کو تبدیل کرنے کا خطرہ بھی مول لیتا ہے۔ اِس کے نتیجے میں حیرتوں سے وہی لطف اندوز ہو سکتا ہے، جو متنی تنقید کے لیے ضروری بین العلومی اپروچ رکھتا ہو۔

حواشی

(۱) اسلم انصاری، غالب کا جہانِ معنی (لاہور: بیکن بکس، ۲۰۱۵ء)،ص ۱۷۷

(۲) گوپی چند نارنگ، ساختیات، پس ساختیات اور مشرقی شعریات، (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۰ء)،ص ۲۰۴

(۳) اورنگ زیب نیازی، مجید امجد کی نظم "کنواں": ردِ تشکیلی مطالعہ مشمولہ مابعد جدیدیت: اطلاقی جہات، مرتبہ ناصر عباس نیر، (لاہور: بیکن بکس، ۲۰۱۵ء)،ص ۱۵۶

(۴) https://literariness.org/2016/03/22/deconstruction/، ملاحظہ کردہ مورخہ ۲۷ جون ۲۰۲۲ء

اصل انگریزی متن ملاحظہ فرمائیں:

Deconstruction is not a dismantling of the structure of a text, but a demonstration that it has already dismantled itself. Its apparently solid ground is no rock but thin air.

(۵) وزیر آغا، تنقیدی تھیوری کے سو سال، (لاہور: الحمد پبلی کیشنز، ۲۰۱۸ء)،ص ۹۲

(۶) ایضاً، ص ۱۳۹

(۷) پیٹر بیری [Peter Barry]، بنیادی تنقیدی تصورات (Beginning Theory)، مترجم الیاس بابر اعوان، (لاہور: عکس پبلی کیشنز، ۲۰۱۸ء)،ص ۸۰

(۸) وزیر آغا، تنقیدی تھیوری کے سو سال، ص ۱۴۰۔۱۴۱

(۹) ژاک دریدا [Jacques Derrida]، *Of Grammatology*، (لندن: دا جونز ہاپکنز یونیورسٹی پریس، ۱۹۷۴ء)،ص ۱۴۸

مآخذ:

(۱) آغا، وزیر، تنقیدی تھیوری کے سو سال، لاہور: الحمد پبلی کیشنز، ۲۰۱۸ء

(۲) انصاری، اسلم، غالب کا جہانِ معنی، لاہور: بیکن بکس، ۲۰۱۵ء

(۳) بیری، پیٹر [Barry, Peter]، بنیادی تنقیدی تصورات (Beginning Theory)، مترجم الیاس بابر اعوان، لاہور: عکس پبلی کیشنز، ۲۰۱۸ء

(۴) دریدا، ژاک [Derrida, Jacques]، *Of Grammatology*، لندن: دا جونز ہاپکنز یونیورسٹی پریس، ۱۹۷۴ء

(۵) نارنگ، گوپی چند، ساختیات، پس ساختیات اور مشرقی شعریات، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۰ء

(۶) نیازی، اورنگ زیب، مجید امجد کی نظم "کنواں": ردِ تشکیلی مطالعہ مشمولہ مابعد جدیدیت: اطلاقی جہات، مرتبہ ناصر عباس نیر، لاہور: بیکن بکس، ۲۰۱۵ء

ویب گاہ

(۱) https://literariness.org/2016/03/22/deconstruction/